

سفر نامہ

کاش

از۔ ایکویاما

قسط۔ 1

(نوٹ) یہ ایک خالص فرضی سفر نامہ ہے۔ نام، مقامات، واقعات و تاریخ مصنف کی تخیل پر کردہ ہیں۔ کسی بھی قسم کی مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی۔

مترجم کا نوٹ: یہ ایک جاپانی تاریخ کے پرفیسر ایکویاما کا ایک نادر غیر مطبوعہ سفر نامے (کاش) کا جاپانی زبان سے اردو میں ترجمہ ہیں۔ پرفیسر ایکویاما کا انتقال ۱۹۹۰ میں ۹۷ سال کی عمر میں ہو گیا تھا۔

پرفیسر ایکویاما ۱۹۶۰ سے ۱۹۸۸ تک بیس سے زیادہ بار گلگت۔ بلتستان کا سفر کر چکا تھا۔ اس نادر سفر نامہ کا مجھ تک پہنچنے کا قصہ بھی خود میں ایک سفر نامہ ہے۔ بہر حال پرفیسر ایکویاما نے اسکو کیونکر شائع نہیں کیا اس کے بارے میں نہیں جانتا۔ میں نے کسی دوسرے ترجمان سے اس کی ترجمہ کروانے کی کوشش کیا لیکن اس ترجمان کو گلگت۔ بلتستان کے تہذیب و ثقافت سے نااشافی کہ وجہ سے مشکلات درپیش ہوا تو میں نے خود اسے ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں اپنی اردو میں کمزوری کی وجہ سے پرفیسر ایکویاما کے خوبصورت تحریر کے ساتھ انصاف تو نہیں کر پا رہا ہوں مگر میں اسے پرفیسر ایکویاما کا ایک امانت سمجھ کر گلگت۔ بلتستان کے لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ گرامر کے بے شمار غلطیوں کے باوجود امید ہے آپ اس تحریر سے نہ صرف لطف اٹھائیں گے بلکہ گلگت۔ بلتستان کے بارے میں بہت کچھ سیکھنے کے ساتھ ساتھ گلگت۔ بلتستان کے لوگوں نے اپنے ماں دھرتی گلگت۔ بلتستان کو جو ذخم دیے ہیں ان پر انہیں پیچھا دوے کا شدید احساس بھی ہوگا۔ میرے اس کاوش میں میری ہونے والی بیوی جس کا تعلق کوریا کے اس جاپانی نسل سے ہے جو دوسری جنگ عظیم سے پہلے جاپان سے نقل مکانی کر کے کوریا آباد ہو چکے تھے، کا بہت مدد حاصل رہا ہے۔ اسپر میں اسکا مشکور ہوں۔ میں گلگت۔ بلتستان کے ادبی برادری سے گزارش کر رہا کہ وہ اس ترجمے کی گرامر کا درست کر کے شائع کرنے کا انتظام کریں۔

سفر نامہ

کاش

از۔ ایکویا

قسط۔ 1

(نوٹ) یہ ایک خالص فرضی سفر نامہ ہے۔ نام، مقامات، واقعات و تاریخ مصنف کی تخیل پر کردہ ہیں۔ کسی بھی قسم کی مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی۔

آج میرے خوشیوں کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ مجھے میرے ملک جاپان میں دردیہ (گلگت۔ بلتستان کا قدیم نام جسے ہیروڈوٹس جو قبل مسیح کا عظیم یونانی فلاسفر، تاریخ دان تھانے اپنے کتاب التاریخ میں کیا ہے۔ اسکے بعد کے آنے والے تاریخ دان جیسے 'سٹرابو' جو ۶۴ قبل مسیح کا ایک عظیم یونانی فلاسفر، تاریخ دان اور جغرافیہ دان تھا جو ایشیائے کوچک کے علاقوں میں بھی رہا تھانے گلگت۔ بلتستان کو اس ملے جلے نام سے لکھا ہے۔ اور اسی دور کا ہی ایک اور مشہور فطرت پرست فلاسفر اور سلطنت روم کا بحری کمانڈر جس کا نام 'پلیینی' (۱۲۳ء ڈی سے ۷۹ء ڈی) نے بھی یہاں کے لوگوں کو تھوڑے تبدیلی کیساتھ 'دردیہ' لکھا ہے۔ پھر ہندو کے مقدس کتابوں میں بھی اس علاقوں کو اس ناموں سے ہی پکارا گیا ہے۔ مترجم) کے سفارت خانے سے میرے سیاحتی ویزے کی درخواست کی منظوری کے بارے میں ایک کال موصول ہوئی تھی۔ یہ ایک ایسا کال تھا جس کے لیے مجھے اور میرے گرل فرینڈ اکیو کو پانچ سال انتظار کرنا پڑا تھا۔ میں بچپن ہی سے شامیزم، بو نیزم اور بدھ لیم کے طلسماتی سرزمین دردیہ جو قراقرم، ہندوکش، ہمالیہ کے عظیم پہاڑی سلسلوں کے دامن میں ان مذاہب کا تارنخ اپنے سینے میں لیے پورے دنیا کے لیے ایک عجوبے سے کم نہ تھا۔ میں بچپن ہی سے اس پر سرار سرزمین کے سحر میں گرفتار تھا۔

میں سب سے پہلے اکیو کو فون پر ویزے کی درخواست کی منظوری کے بارے خوشخبری سنایا اور اسکے بعد دردیہ کے سرمائی دار الخلافہ 'سونی گلیت' میں اپنے ٹریول ایجنٹ ڈھوق سنگھ (گلگت۔ بلتستان کے شین ذات کے لوگ اپنے نام کے ساتھ سنگھ لگاتے تھے) کو فون کر کے ویزے کی درخواست کی منظوری کے بارے مطلع کرتے ہوئے مجھے دردیہ کے چھ چھ کے وزٹ کے انتظامات کرانے کے بارے میں گزارش کیا۔

میری تیسری کال یونیورسٹی آف ٹوکیو کے تاریخ کے جانے مانے پروفیسر ایتایاما کو تھا۔ پروفیسر ایتایاما میرے والد کے قریبی دوست تھے اور انکا میرے گھر میں میرے والد اور چند اور دستوں کے ساتھ تاریخ ارضیات، شامیزم، بو نیزم اور بدھ لیم پر بحث مباحثہ کے طویل نشست ہوا کرتے تھے اور میں ایک ایفونی کی طرح انکے بحث مباحثہ کا نہ صرف عادی ہو چکا تھا بلکہ وہ دنیا کے جن پر سرار اور عجایات عالم پر گفتگو کرتے میں انکا ایک خاکہ میں اپنے دماغ میں بنانا ہوتا۔ انکے ہر بحث کی شروعات دردیہ سے شروع اور دردیہ پر ختم ہوا کرتا۔

دردیہ پاکستان کے انتہائی شمال، بھارت کے شمال مغرب، چین کے مغرب اور افغانستان کے مشرق میں دنیا کے عظیم پہاڑی سلسلوں ہمالیہ، ہندوکش اور کرکورم کو اپنے سینے میں لیے ایک خوبصورت ملک ہے اس پر سرار زمین اور اسکے باسیوں کا پوری داستان تو میں آپکو اپنے ساتھ سفر میں بتاؤنگا مگر اسکے جدید تاریخ کے بارے میں اس مرحلے پر مختصر ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ دردیہ کے لوگ اپنے آزادی پاکستان کے دو قومی نظریے سے متاثر ہو کر نومبر انیس سو سنٹالیس کو قابض ڈوگروں کو شکست دینے کے بعد حاصل کر کے دردیہ کو اسکے ہزاروں سالوں پر محیط تاریخ کے مطابق ایک آزاد و خود مختار ملک کے طور پر قائم کیا۔ یہ ملک مشرق میں لدانخ، جنوب میں شنکیاری، شمال میں وندار، خوجک اور ایجیک اور مغرب میں چترال پر مشتمل ہے جو اسکی قدیم جغرافیہ ہے۔ ان لوگوں نے قابض ڈوگروں کو شکست دینے کے بعد پاکستان میں شامل

ہونا چاہتے تھے۔ جس کے لیے انہوں نے پاکستان کے بانی محمد علی جناح کو ایک خط لکھا تھا۔ لیکن جناح نے ان کی پیشکش کے جواب میں یہ لکھ بھیجا "میں جانتا ہوں کہ دردیہ کبھی بھی برصغیر کا قدرتی، جغرافیائی و ثقافتی حصہ نہیں رہا ہے۔ جس جس مختصر ادوار میں حصہ اگر رہا بھی ہے تو وہ باہر کے حملہ آوروں کی ظلم اور جبر کی وجہ سے رہا ہے۔ اگرچہ آپ مسلمان ہیں، آپ کی ثقافت، زبان، روایت، خوراک، ماحول و شکل و صورت ہم برصغیر کے لوگوں سے مختلف ہے۔ میں آپ کو اپنے تباریخ کو برقرار رکھتے ہوئے ایک مسلمان لیبلر برادر آزاد ملک کے طور پر اپنے تہذیب کے مطابق اپنے ملک کو آگے بڑھانے کو کہو گا۔ آپ مستقبل میں پاکستان کو اپنے ساتھ ایک ہمسایہ برادر ملک کی طرح ہمیشہ مدد کے لیے پائینگے۔ اب میں بھارت سے ہجرت کر کے آنے والے لاکھوں پاکستانیوں کو سیٹل کرنے میں مصروف ہوں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ دردیہ زندہ باد، پاکستان پائندہ باد۔"

اسکے بعد یہاں کے لوگوں نے دردیہ کو ایک ایسا جمہوری فلاحی ریاست کے طور پر پروان چڑھا یا جواب پورے دنیا کے لیے قانون کی حکمرانی، تعلیم، حقوق نسواں، امن اور ماحولیات کی تحفظ کے بارے میں ایک ماڈل ہے۔ دردیہ دنیا کا واحد اسلامی ملک ہے جہاں اسلامی فرقوں کو پہچانا مشکل ہے۔ کیونکہ یہاں کسی مخصوص فرقے کا اپنا کوئی عبادت خانہ نہیں اور نہ انھوں نے کبھی کوئی عمارت عبادت کے لیے بنایا ہے۔ عبادت خانے بنانے کے بجائے انھوں نے اپنے علاقوں میں تعلیمی اداروں کا ایسا جال بچھایا ہے کہ انہی تعلیمی اداروں کو ہی تعلیم، عبادت خانوں اور کمیونٹی سنٹرز کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایک جیسے سکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، ایک جیسے لباس پہنتے ہیں۔ اپنے آزادی کے فوراً بعد جو سب سے پہلا کام انھوں نے کیا، وہ تعلیم کو عام، فرقہ واریت کا خاتمہ، ہر انسان کے حقوق اور ماحولیات کی تحفظ تھا۔ پاکستان کے ساتھ ایک برادر ملک ہونے کی وجہ سے مثالی تعلقات ہیں۔ پاکستان جو کہ دنیا میں پانی سے پیدا شدہ بجلی کے استعمال اور زیر و کا بن کے اخراج کے لیے جانا جاتا ہے، یہ سب بجلی پاکستان دردیہ سے برآمد کرتا ہے۔

دنیا کا ایک ارضیاتی عجوبہ سب سے اچھے پہاڑی چوٹیوں، گلیشیرز، قدرتی جھیلوں و جنگلوں اور اس میں پائے جانے والے لاتعداد حیات، اور پاک صاف قدرتی ماحول اور اسکے تحفظ ثقافتی اور آثار قدیمہ کے ورثہ کی سائنس کی وجہ سے لاتعداد سیاحوں کو اپنے طرف کھینچ لیتا ہے۔ سیاحوں کی غیر معمولی رش کی وجہ سے انکے ناموں کی ہر سال قرعہ اندازی کے ذریعے ویزے دیے جاتے ہیں۔ میں کی سالوں سے کوشش کے باوجود اس سال خوش قسمت ٹھیرا۔

میں نے پروفیسر اتایاما کو دردیہ کے اپنے ممکنہ وزٹ کے بارے میں بتانے کے بعد ان سے دردیہ کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک نشست کی درخواست کر دی جسے اس نے مہربانی کر کے قبول کیا اور مجھے اپریل کے تیرہ تاریخ کو اپنے کو توہیرا قصبے میں واقع گھر پر مدعو کیا۔ پروفیسر اتایاما مدریس سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد کو توہیرا قصبے میں اپنے آبائی گاؤں میں رہائش پزیر تھا۔ جاپان کے کاگاوا پریکچر کے کو توہیرا قصبے میں واقع کون پیرا۔ سان عبادت گاہ سمندر کی سرپرست کے طور پر وقف ہے۔ ایدو عہد میں بے شمار لوگوں نے اپنی زندگی میں کم سے کم ایک بار یہاں عبادت کے لئے حاضری ضرور دیتے ہیں۔ میں اور اکیکیو نے بھی پروفیسر اتایاما کے ساتھ نشست کے بعد ایک دن عبادت کے لیے بھی وقف کرنے کا پروگرام بنایا۔

پروفیسر اتایاما کے دی ہوئی تاریخ و وقت کے مطابق ٹوکیو سے ٹرین کے ذریعے کو توہیرا قصبے میں واقع انکے گھر پہنچ گئے تو ہم نے انکا اور انکے گھر والوں کا ہمیں انتظار کرتے ہوئے پایا۔ اسکی مہربان بیوی مجھے دیکھ کر میرے اچانک جوان ہونے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مجھے اپنے خوبصورت صحن میں چیری کے درختوں کے نیچے لگی ہوئی پیٹھک کی طرف آنے کو اشارہ کیا۔ چند لمحوں میں پروفیسر اتایاما کچھ کتابوں کو ہاتھ میں لیے گھر سے نمودار ہو کر ہمارے طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ بیٹھنے کے ساتھ مجھے میرے دردیہ کے ویزے کی درخواست کی منظوری پر مبارکبادی دینے کے ساتھ روائتی طور پر گھر والوں کا احوال اور میرے مصروفیات کے بارے میں دریافت کرنا شروع کیا۔ مگر میرا دل جلد از جلد اپنے موضوع پر آنا چاہتا تھا جس کے لیے ہم ان کے ہاں آئے تھے۔ بہر حال وہ بھی ایک اچھے استاد کی طرح میرے تجسس کو

جانچتے ہوئے ایک پرانی سی کپڑے میں لپٹی ہوئی نقشے کو میز کے اوپر پھیلا کر اسے سیدھے کرنے کی کوشش کی مگر نقشہ بار بار واپس رول ہوتا۔ کئی بار کوشش کے بعد اس نے ہمیں نقشے کے کونوں پر ہاتھ رکھنے کو کہا تاکہ وہ پھر سے رول نہ ہو جائے۔

عینک کے اوپر سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا "سب سے پہلے میں آپکو اس طلسماتی سرزمین (دردیہ) کے بناوٹ کے دلچسپ تاریخ بتانا چاہوں گا۔ تاکہ آپ جب دردیہ جانے تو آپ وہاں ہر چیز کے مشاہدے سے لطف اٹھائیں۔ کیونکہ اس علاقے کے ہر شے میں ایک تاریخ چھپی ہے۔"

پین سے نقشے کو دیکھتے ہوئے وہ یوں شروع ہوا "سب سے پہلے تو میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ دردیہ کی ارضیاتی تاریخ دنیا کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں جوان ہے۔ دنیا کے دوسرے تقریباً 55 ملین سال پہلے دردیہ ایک پراسرار سرزمین، یوروشیا کے ساتھ قدرے کم گہرے تھیس نامی سمندر کے تہہ میں اپنے انتہائی چٹانوں کے ساتھ قدیم سمندری جانوروں کا ایک پرسکون گھر ہوا کرتا تھا۔ لیکن کرہ ارض میں ارتقائی تبدیلی کی وجہ سے اس پرسکون علاقے کو ایک عظیم حدیث کا سامنا ہوا اور اس حدیث نے اس علاقے کی شکل و صورت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔ یہ حدیث انڈین ٹیکنوٹک پلیٹ اور یوروشین ٹیکنوٹک پلیٹوں کے آپس میں عظیم ٹکراؤ کے نتیجے میں پیش آیا۔ چونکہ دردیہ کا علاقہ ان دو عظیم پلیٹوں کے عین بیچ میں واقع تھا، اس عظیم ٹکراؤ کی وجہ سے یہ علاقہ ان دو پلیٹوں کے بیچ ایک سینڈویچ جیسا بن گیا اور آخر کار ان دو پلیٹوں کے دباؤ کے نتیجے میں گلگت۔ بلتستان کا سرزمین ہندو کش، قراقرم اور ہمالیائی پہاڑیوں کے عظیم سلسلوں کو اپنے سینے میں لیے جتنی عاجزی سے سمندر کے گہرائی میں پرسکون سکونت پذیر تھا، اسکے بالکل برخلاف اس گہرائی سے سطح پر ایسا نمودار ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے کرہ ارض کے سب سے انچائی میں کھڑا ہو کر پورے روئے زمین کے لیے فخر بن گئے۔ پھر اسکے عظیم پہاڑی سلسلوں نے اپنے ہمسایے میں واقع تبتین پلیٹوں کے ساتھ ٹکرائے اور گرد کے علاقوں کی آب و ہوا اور تازہ پانی کے نظام کو ریگولیت کرنا شروع کیا۔ نتیجتاً یہ علاقہ دنیا کے پانی کا ٹینک کہلانے لگے۔ ہائیڈرولوجی سائنس کی وجہ سے یہاں کے گلیشیرز سے بہتا پانیوں نے ان پہاڑوں کو نہ صرف کاٹ کر خوبصورت وادیوں میں تبدیل کیا بلکہ اپنے ساتھ ذرخیز مٹی کو باقاعدگی کے ساتھ بہا کر ان وادیوں میں لا کر ان وادیوں کو نباتات کے لیے اگنے کے لیے ایک موزوں حالات پیدا کی۔ جب ان علاقوں میں نباتات کی انگنت اقسام اگنے لگے تو انھوں نے لاتعداد جانوروں کو اس علاقوں کی طرف آنے کی کشش پیدا کی۔"

مجھے ایسا لگا کہ یہ سب بتاتے اور سنتے ہوئے نہ اس نے سانس لیا اور نہ ہم نے۔ وہ اپنے پرانی پارکر پین کے دوسرے حصے کو ہاتھ میں لیے ہوئے ہر اس جگہ کا نشانہ بنی کر رہا تھا جسکے بارے میں وہ بتا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا "ان عظیم پہاڑی سلسلوں کے بناوٹ کی تاریخ تو سمجھنے سے پہلے میرے طرح دردیہ کے دوسرے بانیوں کو بھی پہاڑوں کے اوپر سمندر کے ریت یا پانی سے گسے ہوئے پتھر دیکھ کر سخت حیرت ہوتی تھی۔ جب میں نے اس علاقے کی ارضیاتی تاریخ کا مطالعہ کیا تو مجھے اسکا پتہ چلا۔ آج بھی ماہرین ارضیات کو ان پہاڑی سلسلوں میں بحرہ تھیس میں پائیں جانے والے جانوروں کے فوسلز ملنا عام سی بات ہے۔ یہاں تک کہ کے۔ ٹو کے چوٹی کے آخری حصے کے پتھر کے اندر سے بھی ماہرین ارضیات کو اس وقت کے جانوروں کے فوسلز ملے ہیں۔ اور یہ اس علاقے کی ناقابل تردید تاریخی حقائق ہیں۔"

آئیو کا دلچسپی اس علاقے کے لوگوں کے سماجی تاریخ میں زیادہ تھا۔ اس نے پروفیسر اتایاما سے اس پراسرار سرزمین کے سب سے پہلے انسان کے بارے میں سوال کر ڈالا۔ اس سوال پر میں پروفیسر کے چہرے میں حیرت کا اظہار دیکھا۔ شاید وہ ہم سے اس علاقے کے ارضیاتی تاریخ کے حوالے سے کچھ اور سوالات پوچھنے کی امید کر رہے تھے۔ بہر حال وہ بنی انسان کے افریقہ سے دنیا کے دوسرے علاقوں کے عظیم ہجرت کا ایک نقشہ کھول کر پوری توجہ کے ساتھ بتانا شروع کیا۔ "دیکھیں انسان کے کچھ گروہ آج سے لگ بھگ ۵۰۰۰۰ سال قبل افریقہ کو خیر آباد کہہ کر جب پوری دنیا کو آباد کرنے نکلے تو کئی ہزار سالوں کے سفر کے بعد کسی نے آسٹریلیا پہنچ کر اس کے لوق ووق بیابانوں کو اپنی قوم کا مسکن بنایا، کسی نے خلیج عرب کے تپتے صحراؤں میں اپنی زندگی کی بنیاد ڈالی، چند گروہوں نے روس و یورپ کے سرد میدانوں کو اپنا نشین بنایا، کچھ نے چین و وسط ایشیاء کے علاقوں میں ہمیشہ کیلئے ڈبرے ڈال دیے، چند نے شمالی و جنوبی امریکہ پہنچ گئے اور کچھ انڈیا و مصر کے عظیم دریاؤں کے آس پاس اپنے تہذیب و تمدن کی آبیاری میں مگن ہو گئے۔ ان سب انسانی گروہوں میں ایک ایسا گروہ بھی تھا جس کو نہ افریقہ کے میدانوں نے مسحور کیا، نہ وہ دریائے نیل کی دل لُبھانے والی خوبصورتی سے مُسخر ہو سکا۔ وہ مسلسل آگے بڑھ کر ایک ایسے علاقے کی تلاش میں سرگرداں رہے جسے روزِ ازل سے ان کے لیے تخلیق کر کے رکھا گیا تھا۔

اس تلاش مسلسل میں وہ آج سے غالباً ۱۵۰۰ ہزار سال پہلے آج کے افغانستان و وسط ایشیاء پہنچے۔ مگر وہ جلد ہی افغانستان اور وسط ایشیاء کے ہلکے اونچے پہاڑی سلسلوں کے دامن میں ذرخیز میدانی علاقوں کو الوداع کہہ کر اپنے وطن کی مٹی کی خوشبو کے راستے مزید آگے بڑھے۔ ان کے آگے بڑھنے کے راستوں پر کی گئی جدید تحقیق سے ایک دلچسپ ثبوت یہ سامنے آیا ہے کہ اس گروہ نے دریائے آمون کے آس پاس افغانستان اور وسط ایشیاء کے علاقوں میں اپنے وطن کی تلاش کی آخری کوشش کی منصوبہ بندی کی۔ اس منصوبہ بندی کے تحت اس گروہ نے خود کو غالباً دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک گروہ پامیر کے راستے مختلف دروں سے ہوتا ہوا دردیہ کے شمالی علاقے پہنچا اور دوسرے گروہ کے کچھ افراد افغانستان کے درہ خیبر اور کچھ بذریعہ بولان پنجاب و سندھ کے میدانی علاقوں سے ہوتے ہوئے آج کے شکیاری و کوہستان کے علاقوں میں اپنے وطن سے جا ملے۔ اور تقریباً ۱۲۰۰۰ ہزار قبل مسیح میں یہ گروہ پھر سے ایک ہو کر دوسری اقوام عالم کی طرح دنیا کے عظیم پہاڑی سلسلے کوہ قراقرم، ہندوکش اور ہمالیہ کے سنگم میں اپنی تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ یہ گروہ دردیہ کے آج کے باشندوں کے آباء و اجداد تھے۔"

پھر پروفیسر نے نقشے سے نظر اٹھا کر ہماری طرف دیکھ کر کہا "دردیہ میں بسنے والے لوگوں کی تہذیب و تمدن کی تاریخ دنیا کی ان چند اہم تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے جنہوں نے اپنی ہزار سالوں پر محیط تاریخ کو ایک منظم طریقے سے اپنے پورے علاقے میں پھیلی ہوئی ہزاروں چٹانوں کے سینوں پر تصاویر و لکھائی کے ذریعے کندہ کر کے اپنی آنے والے نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا۔" عظیم جرمن پروفیسر کارل جیٹسمار اور پروفیسر احمد حسن دانی کے حوالہ دیتے ہوئے اس نے کہا کہ ان دو لوگوں نے ہمیں دردیہ کے علاقوں میں پتھروں کے اوپر ان لوگوں کی بنائی ہوئی تصویروں سے ان کی قبل از تاریخ کی معاشرتی زندگی کے بارے میں ہمیں بہت ہی قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔

کچھ تصاویر کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا "ان کے مطابق اس وقت کے لوگ تیرے شکار کرنے کے ہنر میں کمال حاصل کر چکے تھے اور مختلف گروہوں کی شکل میں ہرن کا شکار کر کے اپنی غذائی ضروریات پوری کرتے تھے۔ انھوں نے غالباً سب سے پہلے کتے کو پالتو بنا کر شکار کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ پاک (ذو غ) اشکو من میں غالباً سب سے پہلے پایا جاتا تھا جسے یہاں کے لوگوں نے سب سے پہلے پالتو بنایا تھا۔ اس کا ثبوت ابیت کے ڈوک کے ایک پتھر پر بنائی گئی تصویر ہے۔ چٹانوں پر بنائی گئی مختلف تصاویر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک گھرانے کے صورت میں رہتے تھے اور گھرانے میں مرد اور عورت کے معاشرتی کردار خاصی حد تک واضح ہو چکے تھے۔ کچھ تصویروں سے ان کے ابتدائی مذہبی عقائد کا بھی ایک غیر واضح اشارہ ملتا ہے۔ دانی نے چلاس کے قریب زیارت کے آس پاس ایک پتھر پر بنائی گئی ایسی تصویر دیکھی جس میں لوگوں کے ایک گروہ کو ایک دائرے کی شکل میں ناچتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگوں میں ناچ گانے کی ثقافت قبل از تاریخ سے چلی آرہی ہے۔ تاریخ قریب کے بودھ مت کے دور کے بے حساب نادر شاہکاروں سے یہ خطہ بے نظیر بھرپڑا ہے۔ اسی طرح پاکستان کے صوبہ گلگت - بلتستان میں بسنے والے یہ لوگ روک آرٹ کے ذریعے اپنے روزمرہ کی خاص و عام سرگرمیوں کو ہزاروں پتھروں پر کندہ کر کے آنے والے انسانوں کے لیے تاریخ کا ایک بیش بہا خزانہ چھوڑ گئے۔"

ہماری تجسس میں اور بھی اضافہ ہو رہا تھا اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں دردیہ کے ہزاروں سالوں پر بنایا جانے والا ایک عظیم فلم دیکھ رہا ہوں۔ اچانک پروفیسر کی مہربان بیوی اور اسکی بیٹی ہاتھ میں کھانے کے اشیاء لیکر حاضر ہوئے اور ان کھانوں میں میرا بچپن کا پسندیدہ سیکل ہان (سرخ چاول) بھی تھا۔ بچپن میں جب کبھی میں اپنے ابو کے ساتھ پروفیسر کے گھر جاتا تھا جو ٹوکیو شہر سے باہر ایک پرسکون علاقے میں ہمارے ہمسایے میں واقع تھا تو میں ہمیشہ سیکل ہان کا فرمایش کرتا۔ اسکی مہربان بیوی نے میرے طرف مسکراتے ہوئے کہا، یہ رہی آپکی پسندیدہ سیکل ہان۔

اکیکو نے پروفیسر کی مہربان بیوی سے میرے بچپن کے اور حرکات کو بے نقاب کرنے کا درخواست کیا جو اس نے مسکرا کر کھلے دل سے مال دیا۔ اس پر مجھے دلی اطمینان حاصل ہوا۔ ورنہ بچپن کے کارناموں میں صرف جاپان کے جانثار پائلٹ بن کر دوسرے جنگ عظیم کے دوران اپنے جہاز کو امریکی بحری بیڑے کے اوپر گرانے کے میرے کھیل تماشا کے علاوہ باقی سب کر تو توں سے اکیکو کے سامنے میرے چہرے سے بہادری، شرافت اور فہم فراست کا پردہ چاک ہونا تھا۔ شاید کچھ واقعات کو اکیکو مسکرا کر ہضم بھی کر جاتی، مگر ہمسایے کے لڑکی کے چکر میں اور اسکے سائے کی طرح نگرانی کرنے والے خطرناک باپ سے بچنے کے لیے جو حرکات مجھ سے سرزد ہوئے تھے ان سب کا جیتا جاگتا اور چشم دید گواہ پروفیسر کی مہربان بیوی تھی۔ اگر ان المناک کارناموں میں سے اگر ایک بھی اکیکو پر اشکار ہوتی تو قیامت کا ٹوٹ پڑنا تھا کیونکہ میں نے اکیکو کو اپنے عمر بھر کی پاک دامنی کا اس حد تک یقین دلا یا تھا کہ وہ مجھے جاپان کے قدیم دیومالائی داستانوں کے ایک مشہور کردار 'سوسوناوا' سمجھنے لگی تھی۔

بہر حال اس متوقع حادثے سے خود کو محفوظ کرنے کے لیے میں نے جاپانی شہنشاہ آکی ہیڈو کی تخت سے دستبرداری اور اپنے ملک جاپان کے تارخ کا ایک عہد کا خاتمہ پر اپنے تشویش کا اظہار کیا۔ مجھے معلوم تھا، پروفیسر اور اسکی بیوی ایک روایتی جاپانی خاندان تھا اور وہ ایسے موضوعات پر دلچسپی اور یقینا اس پر اپنا ایک رائے رکھتے تھے۔ میرے توقع کے عین مطابق، پروفیسر اور اسکی بیوی نے اس موضوع پر دلچسپی دیکھاتے ہوئے گفتگوں کو میرے بچپن کے حالات سے نکال کر کہیں دور، یعنی جاپان کے مضبوط محلوں کے اندر لے گئے جہاں سے کھانے کے اختتام تک باہر نکلنا ممکن نہیں تھا۔

بہر حال کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پروفیسر اتایا اپنے بیٹی سے جاپانی مایکو چائے بنانے کی درخواست کرتے ہوئے ایک اور نقشے کو میز پر پھیلا کر پھر ہمیں دردیہ کے پرسرار وادی کی طرف لے گیا۔ جب تک مایکو چائے ہمارے سامنے آیا پروفیسر 1000 سال قبل مسیح اور 750ء کے دوران درد لوگوں کی سرزمین لداخ پر بتوں کے تباہ کن حملے اور ان لوگوں کے بہادری سے لڑتے ہوئے عظیم قربانی رقم کرنے کے بارے میں تفصیل سے بتا چکے تھے۔ چائے کی آمد جب ہوئی تو ہمیں ایسا لگا جیسے ایک لازوال فلم کو دیکھتے ہوئے اچانک انٹرول کے لیے لائٹس آن کر دی گئی ہو۔

جاپانی مایکو چائے اپنے لمبا دینے والی رنگت کے ساتھ جاپانی آرٹ کے شاہکار پیلا یوں میں کشش طوفان برپا کیا تھا اور پروفیسر کے شفیق بیوی کے سلیقے کی پریزنٹیشن نے مایکو کو اور دل فریب بنایا تھا۔ -----

(جاری ہے)